Lesson 7: Nahl (Ayaat 96- 113): Day 26 سُوْرَۃُ النّحل کی تفسیر

براہ راست آیتوں پر جانے سے پہلے سبق کا خلاصہ، پچھلے سبق میں تدریج کا ذکر تھا کہ کس طرح اللہ تعالی نے اسلام کو تدریج دیا اور اس کے اندر کیا حکمت ہوتی ہے ۔

1۔ آج کے سبق کے شروع میں حلال اور حرام کی حدود کا ذکر ہے کہ جب قوموں پر کوئی زوال آتا ہے تو وہ دین کی کچھ چیزوں کو ظاہری طور پر اتنی اہمیت دے دیتے ہیں کہ تقویٰ کے نام پر اس میں حلال کو حرام اور بعض حرام کو حلال کر دیتے ہیں۔

2۔ دوسری چیز اس سبق میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی پرسنیلٹی کا ذکر ہے کہ جن سے اللہ نے وہ کام لیا جو ایک امت بھی نہیں کر پاتی ۔ان کی خوبیاں کیا تھی اور ان کا کردار کیسا تھا ؟

3۔ یہود کی شریعت جو اُن پر مشکل کی گئی اس کی وجہ بھی بتادی گئی۔

4۔ اس سبق کا سب سے سب سے اہم موضوع اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ پورے سبق کا خلاصہ نہیں بلکہ تبلیغ کا خلاصہ ہے۔

5۔ آخر میں یہ کہ جب کوئی آپ پر زیادتی کرے تو آپ اس زیادتی کا کس حد تک بدلہ لے سکتے ہیں ۔

اس سبق کا انداز بھی ایسا ہی ہے کہ شروع کا موضوع جلدی جلدی گزرے گا لیکن زیادہ ٹائم اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ پہ گزرے گا۔

فَکُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاشۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴿۱۱۴﴾

پس خدا نے جو تم کو حلال طیّب رزق دیا ہے اسے کھاؤ۔ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو۔ اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں فَكُلُوْا امر یعنی حکم ہے۔ گویا کہ حلال کھانا اللہ کے حکم کو ماننا ہے۔ اس لئے دین اسلام میں کھانے پر بھی اَجر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ کا حکم ہے دوسرا یہ کہ کھانے کے بعد طاقت ملتی ہے اور اس طاقت کو ہم اچھی جگہ پر استعمال کرتے ہیں شرط ایک ہی ہے کہ حلال کھاؤ اور طیب کھاؤ۔ اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں دیا ہے یعنی رزق حلال کماؤ اور محنت بھی کرو اور کھانے کے بعد وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

پوری سورۃ میں شکر اور نعمت کا ذکر ہے کہ انسان کے پاس نعمتیں تو عام لوگوں سے بھی زیادہ ہو ں اور شکر ہمارے پاس دوسروں سے تھوڑا ہو تو یہ اللہ کی پکڑ کی ایک راہ بن جاتی ہے ۔اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ اگر تم واقع ہی اس کی بندگی کرتے ہو۔ پوری سورۃ میں جن جن نعمتوں کا ذکر تھا ان سب کا تذکرہ کرکے فرمایا !کہ تم اللہ کی نعمتوں کو کھاؤ یعنی خوب اچھا کھاؤ ،اور خوب اچھے کام کرو، خوب اچھا پہنواور خوب اچھے کام کرو ۔تحدیث نعمت ہو، ریاکاری نہ ہو اور نمائش کا جذبہ نہ ہو ۔اپنے حال کو اس طرح بنا کے رکھو کہ دوسرے آپ کو آسودہ محسوس کریں ۔دوسروں کو آپ پر رحم یا ترس نہ آئے۔مکہ والوں میں جہاں پر یہ آیتیں اتر رہی تھی انہوں نے اپنے ہی حلال اور حرام کے طریقے بنا لیے تھے ۔کسی کو جانوروں کے نام پر حلال اور حرام کرتے اور کسی کو کسی بزرگ کی خوشی کے لئے ذبح کر دیتے۔تو لہٰذا اسلام کھانے پینے میں بھی مداخلت کرتا ہے۔

عمل کی بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی چیز خریدیں تو کوئی شبہ والی چیز مت لیں۔

یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس برینڈ کے علاوہ ہم کوئی اور نہیں کھا سکتے ۔کیونکہ یہی چیزیں ہوتی ہیں جو انسان کے اندر جاتی ہیں ۔اپنے بچوں کو جتنی نیچرل چیزیں دیں گے یہ آپکے قابو میں رہیں گے۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچوں کی زندگی سے جنک کام نکل جائیں تو کوشش کریں کہ بچے جنک فوڈ نہ کھائیں۔ اسی لئے قابو نہیں آتے کہ جنک کھاتے ہیں۔ اگر آپ اپنی زندگی آسان کریں گے تو اس کا اثر بچوں میں بھی نظر آئے گا اور یہ قرآن کا چوتھا مقام ہے جہاں یہ آیت آئی ہے۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ آیت نمبر 173 میں ،سورہ مائدہ آیت نمبر تین میں ،پھر سورۃ الانعام آیت نمبر 145 میں، اور پھر چوتھی بار یہاں پہ یہ بات آئی۔

اِنَّمَا"صرف"(only)کے معنی میں ہے ۔اس کو کلمہ حصر کہتے ہیں یعنی سرونگ کرنا ۔ کھانا پینا اچھا ہو گا تو باقی کام بھی اچھے ہو نگے ،اور اگر کھانا پینا اچھا نہیں ہو گا تو پھر اس کا نقصان ہو گا ۔گاڑی میں جو پٹرول ڈالیں اس کی کارکردگی ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ اگر گاڑی میں اچھا پٹرول ہوتا ہے تو وہ بہت اچھی چلتی ہے۔ منہ میں لقمہ ڈالتے ہوئے ضرور سوچیں کہ یہ جو منہ میں جارہا ہے کہاں کہاں سے ہو کے آئے گا۔ اس ایک کھانے کے چمچ پہ کیا کیا حالات گزریں گے۔ یہ تو ظاہری حلال اور طیب کی بات ہے ۔ایک اور بھی حلال اور حرام ہے ،طیب بن نفس ، طیب بالذات ، طیب باالکسب ،کمائی یعنی ذریعہ کیا ہے۔ زندگی سے ہر وہ چیزیں نکالنے کی ضرورت ہے جو اللہ کے راستے میں بات ماننے میں رکاوٹ بنتی ہیں ۔پھر اگلی آیت میں تخصیص ہے ۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اس نے تم پر مُردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کر دیا ہے اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے (اس کو بھی) ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

حَرَّمَ اس میں شِدّت ہے۔ ایک لفظ حرام ہوتا ہے۔ یہ حرحَرَّمَ ہے یعنی 'ر' پہ شد ہے ۔اللہ تعالی نے کچھ چیزیں تم پر حرام کی ہیں ۔

(1)مردار

(2)خون

(3) خنزیر کا گوشت

(4) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے،

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ یہ مجبوریوں کے سودے ہیں عام دنوں میں یہ اجازت نہیں ہے۔ تو گویا کہ کھانے پینے کی رخصتیں ہیں ۔اس میں بھی اللہ تعالی نے یہ بات رکھی ہے کہ ہم اس کو اللہ کی مرضی کے ساتھ لیں یہ بات پیچھے وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ میں ہو چکی ہے۔غیر اللہ کے نام کی مختلف صورتیں ہیں،پہلی صورت:یہ ہے غیر اللہ کے نام سے تقرب حاصل کرنا ،

یعنی قرب حاصل کرنا ،کسی بزرگ کی قبر پر جاکر اس لیے کوئی جانور ذبح کیا جائے کہ یہ بزرگ مجھ سے خوش ہوں گے ۔

دوسری صورت :یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت نام بھی انہیں بزرگ کا لیا جائے۔ یعنی اللہ کا نام لینے کی بجائے انہی بزرگ کا نام لیا جائے کہ اس سے وہ خوش ہونگے ۔

تیسری صورت :یہ ہے کہ مقصد تو غیر اللہ کا تقرب ہے لیکن ذبح کرتے وقت نام اللہ کا ہی لیا جائے یعنی ایسے ذبح کرتے ہیں جیسے عام ذبیحہ ہوتا ہے ،لیکن کسی قبر پر لے جانا،کسی درخت کے پاس لے جانا،گیارہویں کے دن،فلاں کے نام کی نیاز

چوتھی صورت:یہ ہے کہ کسی خاص دن پر کرنا ،مثلاًکچھ لوگوں نے دن مقرر کیے ہوئے ہیں اس دن کرتے ہیں ۔

پانچویں صورت:یہ ہے کہ خاص جگہوں پر لے جاکر کرنا۔ جانور ذبح کرنا ہے اُسکو اٹھا کر کسی درگاہ میں لے جانا۔

یہ سب چیزیں غیر اللہ میں شامل ہیں، تو یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ شرک کا راستہ کھلا ہے وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ کے ساتھ تھا۔ لہذا ہر چیز اپنے عمل کے ساتھ شدت میں کم زیادہ ہو جائے گی۔ علماء کا قول ہے کہ اگر کوئی غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی جانور ذبح کرے تو وہ مرتد ہوجاتا ہے۔ وہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور مرتد کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور کھا نہیں سکتے۔مثلاً کوئی بزرگ آگیا۔ جس کو لوگ پیر مانتے ہیں ان کے آنے پر ان کی تعظیم اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح کریں گے تو حرام ہے لیکن اگر کھلانے کے لئے کرتے ہیں جیسے کوی شادی کا موقع ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تعظیم نہ ہو۔ اس میں حرمت کا احساس نہ ہو ۔آج کے دور میں اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ لوگ مُحَرَّم میں اماموں کے نام پر سبیلیں لگاتے ہیں۔

حدیث: ایک شخص اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا۔کہ میں نے نذر مانی ہے کہ 'بوانہ' مقام پر جا کر اونٹ ذبح کروں گا۔ بوانہ مکہ سے دور ایک وادی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہاں کیوں ؟کیا زمانہ جاہلیت میں وہاں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی۔کہا !اللہ کے نبی نہیں، توفرمایا وہاں کوئی عید منائی جاتی ہے ،کوئی خاص عرس ہے، کوئی تہوار ہے ،میلہ ہے۔ کہا !یہ بھی نہیں ہے، تو کہا ،ٹھیک ہے جاؤ اپنی نذر پوری کرلو ۔

لہذا کسی خاص جگہ پر جاکر جانور ذبح کرنا یہ درست نہیں ہے۔ اس کے بعد مکہ والوں کی بُری رسموں کا ذکر کیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۱۱۶﴾

اور یوں ہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ خدا پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو۔ جو لوگ خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہو گا۔

مکہ والوں کے ہام، سام اور بحیرہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر سورۃ مائدہ میں گزر چکا ہے۔ اپنی مرضی سے جانوروں کو حرام اور حلال ٹھہراتے، بحیرہ اور سائبہ۔ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 103 ،اور سورۃ الانعام آیت نمبر 139 سے 141 تک میں بڑا مفصل ذکر ہے کہ وہ جانوروں پر سوار بھی نہیں ہوتے تھے اور ان کا گوشت بھی نہیں کھاتے تھے۔ جس اونٹنی سے دس بچے پیدا ہو جاتے تھے اس کو چھوڑ دیتے تھے ۔اسی طرح سائبہ یعنی اللہ والی بنا دیتے تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یہ تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں نے تو تمہیں یہ اختیار نہیں دیا کہ تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرو۔

لہذاء پتہ چلا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینا اللہ کا کام ہے۔ سورہ تحریم کی پہلی آیت لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اختیار نہیں تھا کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیں۔ وہ صرف اس لئے ایسا کرتے تھے لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ تاکہ تم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرو۔ اور اگر آپ یہ جھوٹ سُننا چاہتے ہیں تو کسی صاحب کی قبر پر جاکے عورتوں کی زبان سے صاحبِ قبر کے قصیدے، اُنکی کرامتیں اور اُن کی بڑائیاں سُن لیں۔ آج جہالت کے مارے لوگ شرک کا شکار ہو رہے ہیں اور

ہمارے پاس اتنی فرصت بھی نہیں کہ ہم اُن تک پہنچ سکیں۔ جہالت اور بے علم کے علاوہ شرک انسان کو مروا دے گا۔ جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں لَا يُفْلِحُوْنَ ۟ وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ اس شرک سے ان کی روز یاں لگی ہوئی تھیں، ان کی تجارتیں تھیں اور لنگر چلتے تھے ۔یعنی اس وقت یہ بزنس بن چکا تھا اور آج بھی درگاہوں پہ یہ بزنس ہے ۔ ایک دفعہ ایک اخبار میں ایک انٹرویو تھا۔ ملتان کی کسی درگاہ کا ذکر تھا۔ ایک گینگ پکڑا گیا ۔جب انہوں نے کھولا تو کہا گیا کہ یہ ہمارا بزنس ہے۔ایک کی چادروں کی دُکان ہے۔ خواتین وہاں سے چادر لے کے چڑھاتی ہیں، پھر ہمارے ہی لوگ وہی چادریں دوبارہ پیک کر کے ہمیں واپس دے جاتے ہیں۔ایک چادر کئی دفعہ بکتی ہے۔ ایک بھائی کی گوشت کی دُکان ہے،ایک کی چاولوں کی اور اسی طرح سے لنگر پکتا ہے۔کاروبار چل رہا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم بہت ہو گا۔

ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہی جرم کل کے لوگوں نے بھی کیا تھا جو اپنے وقت کے مسلمان تھے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اور چیزیں ہم تم سے پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔ اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

یہی چیزیں سورۃ آل عمران آیت نمبر 93 میں ، سورہ نساء کی آیت نمبر 40 میں ،سورۃ الانعام آیۃ146 میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اللہ تعالی نے تفصیل سے بتا دیا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی مرضی سے اپنے اُوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا۔

اس کے بعد میں قوم بھی یہی کام کرنے لگ گئی فرمایا !وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ، ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے تھے ۔یہاں حَرَّمْنَا کے معنوں میں بعض لوگوں نے' محروم 'رہنے کو بھی کہا ۔ یہود کے علماء کیا کرتے تھے کہ دین کی ٹھیکیداری اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی تھی ۔اصل تورات تک لوگوں کو جانے نہیں دیتے تھے ۔اب جب لوگ ان سے حلال حرام کے بارے میں پوچھتے تو وہ اپنی مرضی سے لوگوں کو بتاتے۔

دو طرح سے لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے۔ فتویٰ کے نام پر احتیاتی باتیں۔بالکل ایسے جیسے کچھ لوگ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد گھر آکر 'احتیاطً' ظہر کی نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔یہ ایکسٹرا تقویٰ ہوتا ہے۔ان کے علماءنے لوگوں کو اس طرح سے اُلجھایا کہ جب اپنی بات آتی تو سب سے ہلکی بات لے کر آتے کہ کوئی بات نہیں اللہ معاف کر دے گا۔لیکن جب دوسرے بات پوچھتے تو اُن کو مشکل فتویٰ دیتے۔ جیسے کہ پہلے پڑھا کہ اسلام کا مزاج تدریج کا ہے۔ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔کوئی زیادہ حوصلہ رکھتا ہے کوئی کم۔تو جب یہ لوگوں کو اتنا سخت فتویٰ دیتے تو لوگوں کے دین پر عمل چھوڑ دیا۔ ۔ جیسے بچے کو ایک یا دو لیٹر پانی کی بوتل اٹھانے کو کہیں تو وہ اٹھا لے گا لیکن 10 لیٹر کی گیلن نہیں اٹھا سکے گا۔

اللہ نے جو دین دیا وہ بہت نرم، لچک والا ہے ۔اصل شریعت اتنی لچکدار ہے کہ جو پہنتا ہے اس کو ہی فٹ ہوتا ہے ۔لیکن جب اس کے اوپر لوگوں کے نظریات ، فقہی باتیں ، قول لگتے ہیں تو پھر دین مشکل ہو جاتا ہے۔ سخت کپڑا ہو تو اک خاص فگر پر ہی آئے گا۔ دین اسلام نہ تو اتنا سخت ہے اور نہ اتنا ڈھیلا ڈھالا ۔ دین ایک خاص قسم کی شیپ میں ہے لیکن اپنے سائز کے لحاظ سے تھوڑا کھلا ہے ۔تو ہمارے دین کا مزاج درمیانہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ علماءِ یہود نے

دین کو مشکل کیا۔ اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب انہوں نے نافرمانی کی تو اللہ نے سزا کے طور پر ان پر حرام کر دیا۔ان کے لئے چربی حرام تھی گوشت حلال تھا۔تواللہ تعالیٰ اسی بات کو یہاں بتا رہے ہیں وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے ہم نے ان پر وہ چیزیں حرام کی تھی جو ہم آپ پر بیان کرچکے ہیں۔ افسوس کے ساتھ آج امت مسلمہ کی حالت بھی ایسی ہی ہے۔

آج دین کے نام پہ ہم نے لوگوں کو وہ دین دیا جو قابل عمل ہی نہیں ہے۔ دین صرف عبادات تک کیوں رہ گیا کیونکہ دین طرزِ زندگی نہیں بنا۔جبکہ دین طرزِ زندگی کا نام ہے۔ اسی لیے تو اللہ نے سود کا نظام ،تجارت کا نظام اور زکوۃ کے نصاب بتائے تاکہ اس کو انسان اپنی زندگی کا حصہ بنائے ۔عمل کی بات یہی ہے کہ اپنے لیے بہترین،اعلیٰ درجہ اختیار کریں یعنی عزمیت کا راستہ ۔ میں نے اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ نہیں ڈالنا۔ وہ بندہ جو نماز نہیں پڑھتا،روزہ نہیں رکھتا تو اس کو تدریج کے ساتھ دین بتا دیجئے۔ پھر ان شاء اللہ وقت کے ساتھ ساتھ اللہ توفیق دیتا جائے گا اور سب ٹھیک ہوجائے گا ۔کھانے پینے کا ٹیسٹ منہ میں صرف چند منٹ باقی رہتا ہے لیکن اس کا اثر زندگی میں بہت دیر تک رہتا ہے ۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٩﴾

پھر جن لوگوں نے نادانی سے برا کام کیا۔ پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے تو تمہارا پروردگار (ان کو) توبہ کرنے اور نیکوکار ہو جانے کے بعد بخشنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔

اللہ تعالی کو اپنے بندوں سے کتنا پیار ہے۔ یہاں جہالت سے مراد جذبات ہیں۔ جذبات کی رو ہ میں بہہ کر، نادانی میں کوئی گناہ کر لیں، پھر توبہ کرکے اصلاح کریں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ

اس کو ضرور معاف کر دے گا اور اس کے ساتھ اصلاح شرط ہے ۔جب کہ ہم اپنی اصلاح نہیں کرتے ۔تو کہاجارہاہے کہ اللہ کی مرضی مانواور اپنی مرضی نہ چلاؤ۔ جو اللہ تعالی کہتا ہے اس کو لے لو اور جو کہتا ہے چھوڑ دو اس کو چھوڑ دو ۔

ہمارے ہاں دوشدتیں ہیں، حلال کو حرام اور حرام کو حلال چلاتے ہیں۔ قرآن میں سود کتنی شدت کے ساتھ حرام ہے لیکن آج کے مسلمان اس سے نہیں بچتے اور دوسرا ایک عورت کے ہوتے ہوئے مرد کا دوسری شادی کرنا حلال ہے تو عورت کہتی ہے کہ مجھے طلاق دو۔ جبکہ اللہ نے یہ حلال کہا ہے جب کہ ہم نے ایک مرد کی دوسری شادی حرام سمجھی ہوئی ہے۔ ہمارے ہاں عورت کا بڑا چھوٹا ہونا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ جب کہ اسلام اس پہ کچھ نہیں کہتا ۔ہم نے خود اپنی شریعت بنائی ہوئی ہے۔ سوچئے کہ میں نے اپنی زندگی میں کہاں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا ہوا ہے۔اس سے آپ غوروفکر کریں گے تو ذہن کھلے گا۔

سورۃ نحل کی 120 آیت میں ایک بہت ہی خوبصورت شخصیت کا ذکر ہے ۔

1۔ پیچھے ہم نے حلال حرام کا تذکرہ پڑھا کہ کچھ لوگ دین کے نام پر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کو حرام اور حلال قرار دیتے ہیں اور اپنی خواہشات کو حرام کے بدلے حلال کے درجے پہ لے کر اس کو پسندیدہ قرار دینے لگتے ہیں ۔

2۔اب یہاں ایک شخصیت ہے جس کو یونیورسل پرسنیلٹی کہہ سکتے ہیں۔ جن کو لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے نام سے جانتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ کوئی سورۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکروں کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتی۔ تو اللہ سبحانہ وتعالی ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرمانبردار تھے۔ جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

1۔ پہلا ایوارڈ جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ کی طرف سے آسمانوں سے ملا یعنی کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام یقیناً ایک امت تھے ۔

2۔ دوسری خوبی قَانِتًا لِّلّٰهِ وہ اللہ کے لیے فرما نبردار تھے اور لفظ قَانِتًا میں قنوت ہے۔ دوام اور عاجزی کے معنوں میں ۔یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ جو بھی فرماتے حضرت ابراہیمؑ اس کو کرتے بھی تھے اور اس کرنے میں ہیشگی بھی تھی اور اس کو کرنے کے بعد وہ اس کے اوپر attitude کا شکار نہیں ہوئے بلکہ وہ فرما نبردار بھی تھے ،عاجز بھی تھے۔

3۔ تیسری خوبی ان کی حَنِيْفًا ؕ یعنی یکسو تھے ۔ان کے اندر اس طرح کا سکون تھا۔ ان کی زندگی کا جو پرائم گول تھا وہ اللہ کی رضا تھا اور اسی پر چلتے گئے ۔

4۔ چوتھی اور سب سے بڑی خوبی وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وہ مُشرکوں میں سے نہیں تھے ۔ یہاں مُشرک سے مراد بت پوجنے والا مُشرک نہیں ،بلکہ اللہ کا حکم سن کر دوسروں کی طرح دیکھنے والا شرک ہے یعنی اللہ کا حکم سُننے کے بعد یہ نہیں کہا کہ لوگوں کو دیکھ لوں، وقت کا کیا رواج ہے، لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں ۔یعنی آپ کہہ سکتے ہیں کہ people conscious نہیں تھے۔

5۔ پانچویں خوبی ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا۔

اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے یعنی جو اللہ نے ان کو دیا انہوں نے اللہ کے راستے میں ہی پلٹا دیا۔اللہ نے ان کو بہت کچھ دیا۔ بہت ساری نعمتیں دیں۔امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے باپ کے پاس اتھارٹی تھی۔ حکومت کا بندہ تھا تو انہوں نے اس نعمت کو اللہ کے راستے میں ہی لگا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا شکر اصل میں یہ تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو اللہ ہی کے راستے میں لگا دیتے تھے۔ اعلیٰ خاندان کے چشم وچراغ ہونے کے باوجود اپنی طاقت کو استعمال کرکے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہ ان کے اقتدار، غلبے اور جاہ و جلال کا شکر تھا۔ اللہ نے ان کو عقل کی نعمت دی تو انہوں نے اس عقل کو استعمال کیا۔ مشاہدات کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف بلایا اور اُن کو یقین دلایا کہ سورج چاند ستارے خدا نہیں ہو سکتے کیونکہ ان سب کو بنانے والا رب ہے۔ اللہ نے ان کو ہمت کی نعمت دی۔ اللہ تعالی کی اس نعمت کا شکر استقلال کی صورت میں کیا ،حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نمرود کے سامنے اس طرح ڈٹ کر کھڑے ہوئے کہ وہ مبہوت ہو گیا۔اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے ان سے محبتوں کا امتحان بھی لیا گویا کہ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ سے کیا مراد ہے؟

کہ جس ہستی نے نعمتیں دیں نعمتوں کو اسی کے راستے میں ہی لگا دیا۔ ہمارے اور ابراہیمؑ میں فرق یہی ہے کہ ہم نعمتوں کو پاکر خود کو ہی خوش کرناچاہتے ہیں ۔کوئی بھی نعمت اولاد کی ہو یا مال کی ہو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور پھر ہم اپنی اولادوں کو آنکھوں کا تارا بنا کر دیکھتے رہتے ہیں اور اُنہی کو پوجتے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے اپنی نعمتوں کو پاکر رب کو خوش کیا۔ یہ بہت بڑا فرق ہے۔اور دوسرا شکر کیا تھا کہ اللہ کی نعمتوں کو یعنی اولاد کو اپنا خدمت گزار

بنانے کی بجائے اللہ کے دین کا خدمت گزار بنا دیا ۔نعمتوں کو پاکر اپنے رب کو نہیں بھولے۔

6۔چھٹی خوبی اِجۡتَبٰىهُ کہ اللہ نے ان کو چن لیا اِجۡتَبٰى چناہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ انسان نعمتوں کو پاکر مقصد کو نہ بھولے بلکہ نعمتیں پا کر اسی کے راستے میں لگا دےتو اللہ تعالی اس کو چن لیتا ہے۔ زبان سے بھی شکر ادا کیا ، ہاتھوں اور پاؤں سے بھی شکر ادا کیا۔ ان کے پاس وہ بنیادی خوبی تھی جس کے بعد اللہ کسی کو چُنتاہے اور وہ خوبی شکر گزاری اور قدر دانی تھی۔

7۔ساتویں خوبی ایسے لوگوں کو جب اللہ نے چُنا وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ تو ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی ۔شکر ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے۔ اگر ہمارے پاس شکر گزاری ہے تو صراط مستقیم پر چلتے جائیں گے۔ اس زندگی کے صراط مستقیم پر بھی اور آخرت میں بھی اللہ سبحانہ وتعالی نے ان کو یہ سب کچھ دیا۔ اس کو پاکر انہوں نے اپنی زندگی کو اور خوبصورت کیا ۔

وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ؕ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی۔اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

پھر اللہ نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کی یعنی وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً دنیا میں ہی حیاتِ طیبہ والی نعمت عطا کردی ،ان کو پاکیزہ زندگی عطا کر دی ۔اگرچہ قربانیوں اور ہجرتوں کے بعد ملی ۔وقتی طور پر گھر سے بے گھر ہوئے ۔اب اللہ تعالی کے پاس عالی مقام ہے۔ سب کچھ سہنے کے بعد آج آسمانوں سے پکار آتی ہے وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ اور بے شک

آخرت میں تو وہ نیک لوگوں میں ہونگے۔ دنیا میں بھی عزت ملی کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو دنیا میں سکون دیا۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ذہنی سکون ہے ۔اللہ نے ان کا ذکرِ خیر پیچھے چھوڑا۔ آج ان کی یاد میں وہ رسومات منائی جاتی ہیں جس کو ہم قربانی ،طواف اور صفا مروا کی سعی کے نام سے جانتے ہیں۔

ہم بے فکری کو نعمت سمجھتے ہیں۔ہم آزاد پھرتے رہیں۔ہم پر کوئی پابندی نہ ہو حالانکہ اللہ نے ان کو پابندیوں میں رکھا اور اس کو ایک نعمت کہا اور حقیقت یہ ہے وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ کہ آخرت میں بھی وہ نیک ہونگے۔ سب سے پہلے جن کو خلعت پہنائی جائے گی وہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ہونگے۔ قیامت کے دن سب لوگ برہنہ اٹھائے جائیں گے ۔لیکن حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی وہ قربانی جس کی وجہ سے وہ آگ میں ڈالے گئے تو ان کے بدن سے کپڑے اتار لیے گئے۔ اللہ تعالی قیامت کے دن سب سے پہلے ان کو لباس پہنا کر ان کا حق ادا کریں گے ۔ آخرت کا غم دنیا کے ہر غم کو کم کر دیتا ہے۔ آخرت کی فکر کرنا اور اللہ کی اطاعت کو ماننا ہے ۔فکرِ آخرت دنیا کی ہر آزمائش کو چھوٹا کرتا ہے اور پھر ہر آزمایش انویسٹمنٹ بن جاتی ہے کہ اللہ تعالی مجھے کوئی تکلیف دے اور پھر میں صبر کروں اور اس صبر کے بدلے کل مجھے جنت ملے گی۔ اور یہ ایک فکر انسان کو دنیا کی ہر فکر سے آزاد کر دیتی ہے۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ جو لفظ استعمال کیا ہے ۔كَانَ أُمَّةً ۔ لفظ امت سے کیا مراد ہے؟ ۔

جیسے کسی شاعر نے کہا کہ ؏وہ تو اپنی ذات میں انجمن تھا، تو بعض لوگ ایک پھول نہیں بلکہ پھولوں کی کیاری ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ایسے ہی تھے ۔اوران کے امت ہونے کی وجہ کیا ہے۔

1۔پہلی وجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ایک امت اس لیے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ کام کر گئے جو ایک پوری امت نہیں کر تی ۔

2۔دوسری وجہ اس لئے وہ ایک امت تھے کہ ان کا ایمان ایک امت سے بھی بڑھ کر تھا۔

3۔ تیسری وجہ کہ ان کے کارنامے پوری امت کے کارناموں سے بڑے تھے ۔

4۔چوتھی وجہ ان کے کارناموں کے ذریعے جو انسانیت کو خیر پہنچی وہ پوری امتوں کے کارناموں سے بڑھ کر تھی۔

5۔پانچویں وجہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک اُمت تھے کہ اُن پر جو آزمائش پوری امت کی آزمائشوں سے بڑھ کر تھیں۔

6۔چھٹی وجہ حضرت ابراہیم علیہ سلام کے امت ہونے کی جو صبر آپ نے کیا وہ پوری امت مل کر نہیں کر سکتی۔

7۔ ساتویں وجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی امت ہونے کی جو صبر اور استقلال کا دامن پکڑا۔

8۔آٹھویں وجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا جتنا ذکرِ خیر ہے اتنا تو بڑی بڑی امتوں کا نہیں ہوتا۔

9۔حضرت ابراہیم علیہ اسلام امت اس لیے بھی تھے کہ آپ کا صدقۂ جاریہ بڑی بڑی امتوں کے صدقۂ جاریہ سے بڑا تھا۔

10۔حضرت ابراہیم علیہ سلام امت اس لیے بھی تھے کہ آپ نے جو قربانیاں اور ہجر تیں کی وہ تو بڑی بڑی امتیں بھی نہیں کر سکتیں۔ہزاروں،لاکھوں پر تنہابھاری تھے۔

لاکھوں کا ایمان جمع کرلیں تو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا تنہاایمان ان لاکھوں کے ایمان پر بھاری ہو جائے۔اور یہ سب کرنے کے بعد قَانِتًا ، قانِت بھی تھے۔ انھوں نے بغیر کسی صلے کے نیکیاں کیں۔ ان کو نہیں پتہ تھا کہ کل مجھے خلیل اللہ کا لقب ملے گا۔یہ توبغیر صلے کی امید کے نیکیاں کیں۔ وقت اورحالات کے خلاف چلے۔ایسے مسلم ہوگئے جیسے کہ کائنات مسلم ہے۔ یہ جان گئے کہ اللہ کا حق ہے کہ اس کی بندگی کی جائے۔پھراللہ ایسے بندے کو کیوں نہ چُنے۔

ان سب کو پڑھنے کے بعد ہم اپناجائزہ لیں ہم اس وقت کہاں کھڑے ہیں۔ حالات کے موافق ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔اگر ہمارے راستے میں بڑی رکاوٹیں ہیں تو کیا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے راستے میں رکاوٹ نہیں تھی۔ تو پتہ چلا کہ کام وہی کرے گا جو ہر قسم کے حالات میں جما رہے گا۔ان کی ساری زندگی کی تکلیفیں اور پریشانیاں ایک طرف اور آج اللہ کی زبان سے یہ کہنا کہ وہ ایک امت تھے یہ بات دوسری طرف۔ قربانیوں کے صرف چند دن ہوتے ہیں۔ہر وقت صبر نہیں کرنا پڑتا۔لیکن جب ہم صبر کر جاتے ہیں تو وہ ایک میٹھا گھونٹ بن جاتا ہے۔ آج ہمارے معیار بدل گئے۔آج ہم نے اپنے اوپر امت

مسلمہ کا ٹائٹل تو لیا اور اُمتِ، سلمہ وہ ہے جسکو حضرت ابراہیمؑ کی طرف نسبت دی گئی۔ لیکن آج ہم نے اپنے جینے اور مرنے کے انداز بدل لیے۔ جب تک خود پہ رحم کھاتے رہیں گے اللہ کے کام کے بندے نہیں بنیں گے ۔اپنا سر اُٹھانا پڑے گا، اپنے اندر سے بے یقینی نکالنی پڑے گی۔ پھر اللہ چُنے گا۔

امت کا لفظی معنی ۔ قصد کرنا یعنی ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ لفظ امت کا روٹ ا،م ،م ،ہے۔ماں کو عربی زبان میں ام اس لیے کہتے ہیں کیونکہ بچہ ہر چیز میں ماں کی طرف ارادہ کرتا ہے۔ اس طرح درخت کی جڑ بھی اُم کہتے ہیں کیونکہ پورا درخت اس کے اوپر ہوتا ہے۔ڈکشنری میں پانچ سے زیادہ اس کے معنی ملتے ہیں۔ سورہ یوسف آیت نمبر 45 میں بھی لفظ امت کو وقت اور مدت کے لئے پڑھا تھا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اس لئے وقت کو بھی امت کہتے ہیں۔اسی طرح جس راستے پر انسان چل رہا ہوتا ہے اس کا بھی ارادہ ہی کر رہا ہوتا ہے فالو کرنے کے معنی میں۔ لفظ امت راستے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اسی سے جب بہت سارے لوگ ایک نظریے کا قصد کر کے اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کو امت کہتے ہیں ۔

ہم مقصد لوگوں کی جماعت۔ جن کا زندگی میں ایک ہی مقصد ہے اور وہ مقصد سورہ بقرہ آیت نمبر 143 میں بتا دیا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔ اور اِسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امت وسط" بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو ، اس آیت میں لفظ امت سے مراد کہ حضرت ابراہیم ایک راستہ بنا گئے۔ اگر آپ بھی اپنے خاندان والوں کے لیے بارش کا پہلا قطرہ بنے ہیں تو آپ بھی اس راستے پر چلنے والوں کا اجر پائیں گی۔ وقت کے رواج کے مطابق چلنا بہت آسان اور وقت کے رواج کے خلاف چلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جو لوگ آج بھی وقت کے رواج میں بہتے ہیں وقت ان کو بھلا دیتا ہے۔ جو وقت کے رواج

سے ہٹ کر راستے بناتے ہیں، طریقہ پیدا کرتے ہیں اور مردہ سنتوں کو زندہ کرتے ہیں، اللہ تعالی ایسے لوگوں کو قائم رکھتا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے وہ تبدیلی پیدا کی جو ایک بڑی امت بھی مل کر نہیں کر سکتی ۔سورۃ نجم آیۃ37 میں اللہ تعالی کہتے ہیں۔

وَاِبۡرٰهِيۡمَ الَّذِىۡ وَفّٰٓى ۙ ﴿۳۷﴾ ابراہیم وہ تھے جنہوں نے میرے ساتھ وفا کا حق ادا کر دیا۔وہ صاحب رُشد تھے ،ان کے پاس عقل تھی۔اور انہوں نے اپنے خاندان کے ساتھ کیسا ایکشن لیا۔ سورہ مریم میں ہے۔فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ جب وہ ان سے ایک طرف ہوگئے جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ تو ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب دیئے، تو پتہ چلا کہ اسحاق اور یعقوب جیسی اولادیں تب ملتی ہیں جب بندہ راستہ بدلتا ہے۔ جب اپنی زندگی کا راستہ بدل کر تنہا چل پڑتا ہے تو پھر اللہ تعالی چُن لیتا ہے۔ سورۃ عنکبوت آیت نمبر27 میں ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ وَاٰتَيۡنٰهُ اَجۡرَهٗ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے اُن کو اسحٰق اور یعقوب بخشے اور اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی اُن کا صلہ عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

اگر آج اللہ نے ہمیں اپنے دین کے لیے چن لیا تو خوش قسمت ہیں۔ان آیات سے یہ سمجھ آتی ہے کہ زندگی سے اور حاصل کرلو۔زندگی ایک کنویں کی مانند ہے، جتنا اس سے پانی لیتے ہیں کچھ گھنٹوں کے بعد اس میں اور آجاتا ہے اور جب پانی لینا چھوڑ دیتے ہیں تو بڑے بڑے گہرے کنویں خشک ہو جاتے ہیں۔ جب ماں بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اور اترتا ہے اور جب ماں بچے کو دودھ چھڑواتی ہے تھوڑے دنوں بعد دودھ بھی ختم۔ تو یہ ہماری

زندگیوں کا خلاصہ ہے ۔ایک ربر بینڈ کی طرح کھینچتے ہی جائیں گے، برکت آتی ہی جائے گی، فہم بڑھتا ہی جائے گا ،تزکیہ ہوتا ہی جائے گا ،وسعت آتی جائے گی شرط ایک ہی ہے کہ بس چلتے جائیں۔

اللہ تعالی نے یہاں مشرکین مکہ کی آنکھیں بھی کھول دیں۔ اصل میں یہ مشرکینِ مکہ کے اعتراض کا جواب بھی ہے جوابراہیم علیہ السلام سے اپنی نسبتیں جوڑتے تھے ۔اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ مشرک نہیں تھے۔ تم حضرت ابراہیم کا نام تو لیتے ہو لیکن تمہاری زندگی حضرت ابراہیم کے طریقوں سے بالکل مختلف ہے۔ تو آج ہم اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کو دیکھیں ،جس طرح مشرکین مکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے کوئی تعلق نہیں تھا، اسی طرح آج امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے نبی صلی اللہ کی زندگی ، اُنکے طور طریقوں سے،اُنکے طرزِزندگی سے اور ان کے مشن سے کوئی نسبت نہیں ملتی لیکن دعوے ہمارے عاشقانِ رسولؐ کے ہیں۔ہم جان قربان کر دیں گے۔ہم سنتوں کی ، شریعت کی قربانیاں دیتے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جب کسی سے نسبت جوڑنے لگو توایک لمحے کے لئے تو سوچو، کہ جس کا نام لے کر کہہ رہا ہوں اس کا ہی سٹوڈنٹ ہوں، اس کا بیٹا ہوں تمہارے اور اس کے بیچ میں کوئی ایک چیز بھی مشترک ہے۔ اس لئے یہاں بتا دیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے وہ تو ابراہیم کا طریقہ ہے ۔یہاں بھی حلال اور حرام کی طرف اشارہ ہے کہ یہودیوں کے اندر کچھ چیزیں انہوں نے خود سے حرام کر لی تھیں۔ جیسے کہ وہ اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے جب کہ ابراہیم علیہ السلام کے دین میں وہ حلال تھا۔ یہود نے بطخ اور خرگوش کے گوشت کو حرام کیا ہوا تھا جب کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے دین میں یہ حلال تھیں تو لہذا مکہ والوں کے ساتھ ساتھ آج

ہمیں بھی کہا جا رہا ہے کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے کر ان کے سچے پیروکار نہیں بنتے توکل تم ان سے نہیں ملو گے۔ اسی طرح آگے ایک اور اختلاف ہے جو یہود نے ابراہیمؑ سے کیا تھا۔ یہودیوں کا اختلاف ؛

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَى الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾

ہفتے کا دن تو ان ہی لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جُعِلَ کا معنی فرض ہے، یعنی فرض کیا گیا۔ شروع سے ہی اللہ تعالی نے جمعہ کے دن کو مقدس رکھا تھا۔ بنی اسرائیل کے لئے بھی عبادت کا دن جمعہ کا ہی تھا لیکن انہوں نے شرارتوں کی وجہ سے اس کی ناقدری کی۔ لہذا دین کے کاموں میں کبھی بھی چینج نہیں کرنی چاہیے۔ لوگوں کی سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز تبدیلی ہے تو لہذا انہوں نے ہفتے کا دن لیا اور بعد میں ہفتے کو بھی نہ بنا سکے ۔پیچھے اصحابِ صف کا ذکر گزر چکا ہے تواللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جس چیز کو مانگا اس کو بھی نبھا نہ سکے۔ لیکن پھر وبال 'سبت'کی حرمت کو توڑنے پر پڑا ،تو اللہ تعالی نے ایک کو سزا دی کیونکہ وہ اختلاف کرتے تھے؛

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ یقیناً ان کے مابین فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ اختلافات علم والوں میں ہی آتے ہیں۔ جاہل تو سب کام اکھٹے بیٹھ کے کرتے ہیں۔شادیاں، مہندی، عُرس سب اکٹھے کرتے ہیں لیکن دین والے ایک جگہ نہیں اکٹھے ہوتے۔اُنکے اندر رعونت ہے۔ جب دین والوں کا مزاج اختلافات والا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی کی طرف سے رحمت

اٹھ جاتی ہے اور یہ باتیں تو قرآن کے نزول کے وقت کی ہورہی ہیں۔یہودیوں نے اللہ کی کتاب تورات کو بدلا ۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک تورات بالکل بدل چکی تھی ۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات بالکل بدل چکی تھیں۔

کیایہ سب باتیں آج کے مسلمانوں کی نہیں لگ رہیں؟

اگر آج ہم دین،سُنت،اسلام کی روشنی میں پوری اُمت یامعاشرے پہ نظر ڈالیں تو آج مسلمان بھی چوں چوں کامُربہ بناہواہے۔جب کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی ہوئی تھی وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نازل ہوئی تھی ۔آپ کا عقیدہ ،اخلاق و ہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا تھا ۔آج مسلمان کدھر ہے۔

فکر کیجیے کہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب ہوتی تو اس میں ہمارا نام کیا ہوتا۔ ہمارے لیے عمل کی بات یہی ہے کہ قیامت کے دن نسبت نہیں جیتے گی ،آپ کس گروہ سے تھے،کس مسلک سے تھے۔قیامت کے دن صرف آپکاکردار جیتے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالی طریقہ بتاتے ہیں اور اس پہ ہمیں عمل خود کرنا ہے ۔جتنا اللہ کی رضا والا طریقہ کرتے جائیں گے اتنی ہی اللہ کی مدد شامل حال ہو گی ۔ہم اللہ سے دعاکرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اطاعت والا بنادے۔ آج نبیؐ کے جن طریقوں سے زندگی ہٹی ہوئی ہے،اُن طریقوں پر کروادے۔مسلمانوں میں بالکل یہودی اور عیسائیوں کی طرح کردار آچکے ہیں۔ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ تم سب چھوڑو اور میری سنو شروع میں پوری سورۃ میں نعمتوں کا ذکر تھا اور آخر میں تدریج کا ذکر ہے دین جینے کاایسارنگ دکھاتاہے کہ جس کے بعد انسان حقیقت میں اللہ تعالی کا شکر ہی ادا کرتا رہے۔ نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت ہدایت کی نعمت ہے ۔جب لوگ اس ہدایت کی نعمت کو دوسروں سے شیئر کرنے لگتے ہیں تو اس وقت راستے میں رکاوٹیں آتی ہیں۔ اب آگے اللہ

تعالیٰ طریقہ سکھا رہے ہیں جس طریقے سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا۔مطلب یہ کہ دعوت اور تبلیغ کے اصول واضح کئے جا رہے ہیں یعنی کس طرح سے اس راستے پر چلنا ہے۔ایک چھوٹی سی لسٹ جو قرآن پاک میں حضرت ابراہیم کا ذکر ہوا ہے ،ان کا خلاصہ کیا ہے:

1۔حضرت ابراہیم باوفا تھے۔(خود سے پوچھیں کیا میں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے بے وفائی تو نہیں کرتی)

2۔پھر صاحب رُشد تھے یعنی عقل کا استعمال کرتے تھے۔چاند۔ستاروں میں کھونے کی بجائے اللہ کو پایا(کیا میں دنیا کی چمک میں کھو کر اُنہی کو تو نہیں پوجنے لگتی)

3۔توحید پر تھے یعنی مواحد تھے۔(کیا میرے اندر کسی قسم کا چھُپا ہوا شرک تو نہیں ہے)

4۔پھر فرقہ واریت اور گروہ بندی سے پاک تھے۔(کیا میں بھی ابھی تک اپنے گروہ اور فرقے کو اہمیت تو نہیں دیتی)

5۔پھر یکسو تھے ۔(خود سے پوچھیں کیا میں یکسو ہوں۔)

6۔پھر قلب سلیم دل تھے سلامت دل والے تھے۔

7۔معلمِ خیر تھے درد مند تھے ۔

8۔نرم خو تھے ،مہمان نواز تھے اللہ پر توکل کرتے تھے۔

9۔اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑنے کو تیار تھے۔

10۔صابر تھے ،سب کے خیر خواہ تھے۔

11۔قانت تھے یعنی دوام والے تھے۔

12۔مشرک نہیں تھے۔

سورۃ النعم کے اختتام پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو ایک شاکر کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے ۔پوری سورۃ شکر پہ ہے اور شاکر وہ ہوتا ہے جو نعمتوں کو صحیح جگہ استعمال کرے۔ سورۃ کے اختتام پر شکر کے رول ماڈل کے طور پر حضرت ابراہیم کا ذکر کر دیا ۔ ان کی دعاؤں سے ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ شکر گزار تھے اور اولاد کو وہاں لگایا جہاں لگانے کا حق تھا۔ انہوں نے اپنی اولاد کو ضائع نہیں کیا۔ اور اپنی اولاد کو صرف رزق پہ نہیں رکھا۔ کلمۂ حق کو بلند کرنے میں خود بھی رہے اور اپنے بچوں کو بھی ساتھ رکھا ایک اور چیز جو حضرت ابراہیم کی زندگی میں نظر آئے گی جو آج ہمارے لئے بہت اہم ہے کہ حضرت ابراہیم کو بنا ہوا ماحول نہیں ملا تھا، انہوں نے خود بنایا تھا۔ ماحول بنا ہوا ہو اور آپ کام کریں تو یہ خوش قسمتی ہے لیکن اگر ماحول نہیں بنا ہوا تو ماحول بنائیں اور پھر دین کا کام کریں تو اللہ خلیل بناتا ہے۔ خلیل اس دوست کو کہتے ہیں جس کو انسان تنہائی میں یاد رکھے۔اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کی صورت میں ہمارے سامنے ایک رول ماڈل رکھ دیا کہ وقت تم پر بھی آ سکتا ہے،پھر اسی طرح کام کرنا ہے۔ اور حضرت ابراہیم نے ایک دعا مانگی تھی کہ اللہ میرا ذکرِ خیر میرے پچھلوں میں بھی رکھنا۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں اس کا تذکرہ کر دیا کہ ہم نے ان کا دنیا میں ذکر خیر رکھ دیا۔ہم نے ان کو دنیا میں بھی خیر دے دی وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً تو گویا کہ جتنی بڑی قربانی اتنا بڑا اجر۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کتنی پرانی شخصیت ہیں لیکن ان کا نام آج بھی باقی ہے ۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ایسا بنا دے۔ آمین